مسلمان عورت کے حقوق

سید جلال الدین عمری

عام طور پر کمزور کو اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے سخت جدوجہد اور کشمکش کرنی پڑتی ہے۔ اس کے بغیر اسے اس کے جائز حقوق نہیں ملتے بلکہ وہ تسلیم بھی نہیں کیے جاتے۔ موجودہ دور نے بڑی بحث و تمحیص، بڑی رد و کد اور بڑے احتجاج کے بعد عورت کے بعض بنیادی حقوق تسلیم کیے۔ اسے اس دور کا ایک احسان مانا جاتا ہے حالانکہ یہ احسان اسلام کا ہے۔ سب سے پہلے اس نے عورت کو وہ حقوق دیے جن سے وہ عرصہ دراز سے محروم چلی آ رہی تھی۔ یہ سارے حقوق اسلام نے اس لیے نہیں دیے کہ عورت ان کا مطالبہ کر رہی تھی، اس کا احتجاج جاری تھا اور اس کے حقوق کی وکالت اور نمائندگی ہو رہی تھی بلکہ اس لیے دیے کہ عورت کے یہ فطری حقوق تھے اور اسے ملنے ہی چاہییں تھے۔ اسلام ان حقوق کے دینے پر مجبور نہیں تھا بلکہ اس لیے دیے کہ عورت مظلوم تھی اور مظلوم کی حمایت کو وہ فرض سمجھتا تھا۔

یہاں بعض ان حقوق کا ذکر کیا جا رہا ہے جو اسلام نے عورت کو دیے ہیں۔ اسلام ان حقوق کو صرف قانون کی زبان میں بیان کر کے خاموش نہیں ہو جاتا بلکہ ترغیب و ترہیب کے ذریعہ ان کے ادا کرنے کا زبردست جذبہ بھی پیدا کرتا ہے۔

زندہ رہنے کا حق

عورت کا جو حال پوری دنیا میں تھا وہی عرب میں تھا۔ عرب کے بعض قبائل اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔ قرآن مجید نے اس شقاوت اور سنگ دلی پر سخت تہدید کی، اسے زندہ رہنے کا حق دیا اور کہا کہ جو شخص اس کے اس حق پر دست درازی کرے گا قیامت

کے روز اسے خدا کو جواب دینا ہوگا۔ فرمایا۔

وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ ○	اس وقت کو یاد کرو جب کہ اس لڑکی
بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ○	سے پوچھا جائے گا جسے زندہ دفن کیا گیا
(التکویر: ۸، ۹)	تھا کہ کس جرم میں اسے مارا گیا۔

ایک طرف معصوم اور بے گناہ لڑکیوں کے ساتھ اس ظلم و زیادتی پر جہنم کی وعید سنائی گئی تو دوسری طرف ان لوگوں کو جنت کی خوش خبری دی گئی جن کا دامن اس ظلم سے پاک ہو۔ جو لڑکیوں کے ساتھ وہی سلوک کریں جو لڑکوں کے ساتھ کرتے ہیں اور دونوں میں کسی قسم کا فرق نہ کریں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من كانت له انثى	جس شخص کے لڑکی ہو۔ وہ نہ تو اسے
فلم يئدها ولم يهنها	زندہ درگور کرے اور نہ اس کے ساتھ
ولم يؤثر ولده عليها	حقارت آمیز سلوک کرے اور نہ اس پر
يعني الذكور ادخله	اپنے لڑکے کو ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ
الله الجنة [1]	اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔

ان اخلاقی تعلیمات کے ساتھ اسلام نے مرد کی طرح عورت کی زندگی کے بھی احترام کی تعلیم دی اور اس پر کسی قسم کی زیادتی ہو تو 'قصاص' کا اسے حق دیا۔ قصاص کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کے ساتھ زیادتی ہو تو اسی کے برابر اسے بدلہ لینے کا حق ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی کسی کو قتل کر دے تو مقتول کے وارث اس کی جان بھی لے سکتے ہیں۔ یہ قانون عورت اور مرد دونوں کے لیے ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ	تورات میں ہم نے یہودیوں پر یہ حکم لکھ
النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ	دیا تھا کہ جان کے بدلہ جان، آنکھ کے

---

[1] ابوداؤد، کتاب الادب، باب فضل من عال یتامیٰ

بِالْعَیْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ	بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان
وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ	کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت
بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ	اور زخموں کا بدلہ ان کے برابر پھر جس
فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ	نے قصاص کو معاف کردیا تو وہ اس
لَّهٗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ	کے لیے کفارہ ہے۔ اور جو لوگ اللہ
اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ	کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ
الظّٰلِمُوْنَ ۝ (المائدہ: ۴۵)	نہ کریں وہی ظالم ہیں۔

اس قانون نے عورت پر بلکہ ہر کمزور فرد اور طبقہ پر ہونے والے ظلم کو روکا اور اسے انصاف دلایا۔

پرورش کا حق

اسلام کے نزدیک ہر بچہ یہ اخلاقی اور قانونی حق لے کر پیدا ہوتا ہے کہ اس کی ضروریات زندگی فراہم کی جائیں اور اسے موت کے منہ میں جانے نہ دیا جائے۔ بچہ کی پرورش اور دیکھ بھال ایک طویل اور تھکا دینے والا عمل ہے۔ بالعموم لڑکے کی پرورش جس محبت، توجہ اور خوش دلی سے ہوتی ہے لڑکی کی نہیں ہوتی۔ اسلام نے اس فرق کو سخت ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ وہ لڑکی کی پرورش کی خاص ترغیب دیتا اور اسے بہت بڑا کارِ ثواب بتاتا ہے حضرت عائشہ رضؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من بلی من ھٰذہ البنات	اللہ تعالیٰ جس شخص کو ان لڑکیوں کے
شیئا فاحسن الیھن کن	ذریعہ کچھ بھی آزمائش میں ڈالے اور وہ
لہ ستراً من النار[1]	ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے تو وہ اس کے
	لیے جہنم سے بچاؤ کا ذریعہ ہوں گی۔

[1] بخاری، کتاب الادب، باب رحمۃ الولد وتقبیلہ۔ مسلم، ابواب البر والصلہ، باب فضل الاحسان الی البنات

اس حدیث میں لڑکیوں کے ساتھ احسان کا ذکر ہے۔ یہ ایک جامع لفظ ہے۔ اس میں ان کی پرورش، تعلیم و تربیت، ان کے ساتھ حسن سلوک اور محبت کا رویہ سب کچھ آجاتا ہے حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من عال جاریتین	جو شخص دو بچیوں کی ان کے جوانی
حتی تبلغا جاء	کو پہونچنے تک پرورش کرے گا
یوم القیامۃ انا وھو	قیامت کے روز میں اور وہ اس طرح
وضم اصابعہ [1]	ہوں گے، یہ کہہ کر آپ نے انگشتہائے مبارک کو ملایا

اب اس کی قانونی حیثیت دیکھئے۔ شریعت کی رو سے اولاد کے، چاہے وہ ذکور ہوں یا اناث نان و نفقہ اور پرورش کی ذمہ داری قانوناً باپ پر عائد ہوتی ہے۔ اس سے وہ انکار نہیں کرسکتا چنانچہ احکام رضاعت کے ذیل میں قرآن مجید کا ارشاد ہے:۔

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ	بچہ جس کا ہے (یعنی باپ) اس پر
وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ	دودھ پلانے والی کا کھانا اور کپڑا دستور
(البقرہ: ۲۳۳)	کے مطابق واجب ہے۔

اس سلسلہ میں فقہا نے خاصی تفصیلات فراہم کی ہیں۔ فقہاء احناف نے لکھا ہے کہ لڑکے کے نان و نفقہ کی ذمہ داری اس کے بالغ ہونے تک ہے۔ اس کے بعد باپ پر اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔ الایہ کہ وہ اپاہج یا معذور ہو۔ البتہ لڑکی کے نان و نفقہ کی ذمہ داری اس کے بالغ ہونے کے بعد بھی (شادی ہونے تک) باقی رہے گی۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ بلوغ کے بعد یہ ذمہ داری باپ اور ماں کے درمیان تقسیم ہو جائے گی۔ باپ دو حصے برداشت کرے گا اور ماں ایک حصہ۔ اسی طرح جو بھی بالغ عورت محتاج ہے اس کا نان و نفقہ اس کے قریبی محرم پر واجب ہوگا۔ ان میں سے اگر کوئی صاحب حیثیت

---

[1] مسلم، ابواب البر والصلہ، باب فضل الاحسان الی البنات

ہے تو اسی کے مال میں سے اس پر خرچ کیا جائے گا۔ کسی اور پر اس کی ذمہ داری عائد نہ ہو گی۔ [1]

تعلیم کا حق

انسان کی ترقی علم سے وابستہ ہے۔ جو فرد یا گروہ علم سے بے بہرہ ہو وہ زندگی کی تگ و دو میں پیچھے رہ جاتا ہے۔ نہ تو اس کی فکری پرواز بلند ہو سکتی ہے اور نہ اس کی مادی ترقی ہی کا بہت زیادہ امکان ہے۔ لیکن اس کے باوجود عورت کے لیے علم کی اہمیت محسوس نہیں کی گئی۔ علم کا میدان مرد کا سمجھا جاتا تھا، مردوں میں بھی خاص طبقات علم حاصل کرتے تھے، عورت علم کی بارگاہ سے بہت دور جہالت کی زندگی بسر کرتی تھی۔

اسلام نے علم کے دروازے عورت اور مرد دونوں کے لیے کھلے رکھے، اس راہ کی پابندیاں ختم کیں، اور ہر طرح کی آسانیاں فراہم کیں۔ اس نے خاص لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ دلائی، اسے ترغیب دی اور اسے کارِ ثواب بتایا۔ حضرت ابوسعید خدری رضؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

من عال ثلاث	جس نے تین لڑکیوں کی پرورش کی،
بنات فادبهن و	ان کو تعلیم و تربیت دی، ان کی شادی
زوجهن و احسن اليهن	کی اور ان کے ساتھ (بعد میں بھی) حسنِ
فله الجنة [2]	سلوک کیا تو اس کے لیے جنت ہے۔

اسلام کا خطاب عورت اور مرد دونوں سے ہے۔ اس نے ان میں سے ہر ایک کو عبادات، اخلاق اور احکام شریعت کا پابند بنایا ہے۔ علم کے بغیر ان کی پابندی نہیں ہو سکتی۔ عورت کے لیے مرد سے تعلقات کا مسئلہ بڑا اہم ہے۔ یہ تعلقات انتہائی

---

[1] ملاحظہ ہو۔ ہدایہ ۲/۴۲۶ — ۴۲۷ [2] ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی فضل من عال یتامی۔

پیچیدہ اور بڑی نزاکت کے حامل ہوتے ہیں۔ ان میں عورت کے حقوق بھی ہیں اور ذمہ داریاں بھی جب تک اسے ان کا علم نہ ہو وہ ٹھیک ٹھیک نہ تو اپنی ذمہ داریاں ادا کرسکتی ہے اور نہ اپنے حقوق کی حفاظت اس سے ہوسکتی ہے۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ عورت اور مرد دونوں ہی کے لیے کم از کم دین کی بنیادی باتوں کا جاننا ضروری ہے۔ عورت اگر ان سے ناواقف ہو تو شوہر اسے خود بتائے گا یا کوئی ایسا انتظام کرے گا کہ وہ ان کا علم حاصل کرسکے۔ اگر شوہر اس کا انتظام نہ کرے تو عورت خود سے انھیں سیکھنے کی کوشش کرے گی۔ یہ اس کا ایک قانونی حق ہے۔ اس کے لیے وہ گھر سے باہر بھی (اخلاقی حدود کی پابندی کے ساتھ) جاسکتی ہے۔ شوہر اس پر پابندی نہیں لگا سکتا۔[۱]

ان سب باتوں کا نتیجہ ہے کہ دور اوّل میں علم جس طرح مردوں میں پھیلا عورتوں میں بھی عام ہوا۔ صحابہ کے درمیان قرآن وحدیث کا علم رکھنے والی خواتین کافی تعداد میں ہمیں ملتی ہیں۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسائل کا استنباط اور فتویٰ دینا بڑا نازک اور مشکل کام ہے۔ اس میدان میں بھی عورتیں موجود تھیں۔ ان میں حضرت عائشہؓ حضرت ام سلمہؓ، ام عطیہؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت ام حبیبہؓ، اسماء بنت ابوبکرؓ، ام شریکؓ فاطمہ بنت قیسؓ، خولاء بنت تویبؓ وغیرہ بہت نمایاں ہیں۔[۲]

نکاح کا حق

عورت کو جس طرح زندگی کے اہم معاملات و مسائل میں بولنے کا حق نہیں تھا اسی طرح وہ اپنی شادی اور نکاح کے بارے میں بھی زبان نہیں کھول سکتی تھی۔ اس کے ماں باپ یا خاندان کے بزرگ جس شخص کے ساتھ اس کا رشتہ کردیتے اس سے انکار کی اسے

۱؎ تفصیل کے لیے دیکھی جائے راقم کی کتاب۔ 'عورت — اسلامی معاشرے میں'

۲؎ ملاحظہ ہو۔ اعلام الموقعین ۱/۹-۱۱

مجال نہ تھی۔ اس معاملہ میں اس کا زبان کھولنا سخت ناپسندیدہ اور معیوب سمجھا جاتا تھا اور سوسائٹی اسے طرح طرح کے معنی پہنانے لگتی تھی۔ اپنے رشتہ کے بارے میں اظہار خیال کرنا اور اپنے بڑوں کے منتخب کردہ رشتہ کو رد کرنا آوارگی کی علامت تصور کیا جاتا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ لڑکی کو نکاح کا اختیار دے دینا خود اس کے مفاد کے خلاف ہے۔ وہ اپنی کم سمجھی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے غلط فیصلہ کرسکتی ہے۔ لڑکی کے ماں باپ یا اس کے سرپرست اس سے زیادہ تجربہ کار اور معاملہ فہم ہوتے ہیں اس لیے ان سے غلطی کا امکان کم ہے۔ اس کے ساتھ وہ لڑکی کے خیر خواہ ہوتے ہیں اس لیے وہ اسے دھوکا نہیں دے سکتے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ بات بڑی حد تک صحیح ہے کہ لڑکی کے سرپرست اس کے لیے بہتر رشتہ تلاش کر سکتے ہیں لیکن اس کے ساتھ اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بعض اوقات سرپرستوں کی طرف سے زیادتی بھی ہوتی ہے۔ وہ اسے اپنے ذاتی مفادات کی تکمیل کا ذریعہ بھی بنا بیٹھتے ہیں۔ کم از کم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بسا اوقات سرپرست کے سامنے وہ معیارات نہیں ہوتے جنھیں خود لڑکی اہمیت دیتی ہے، اس لیے لڑکی کے نکاح کا اختیار بالکلیہ اس کے سرپرست کو دے دینا صحیح نہیں ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی عورت اور مرد کا رشتۂ نکاح میں منسلک ہونا ان کے لیے بڑا اہم واقعہ ہے۔ اس سے دونوں ایک نئی زندگی کا آغاز کرتے ہیں۔ اس لیے یہ رشتہ ان کی باہم رضامندی سے ہونا چاہیے۔ یہ بات معقول نہ ہوگی کہ عورت پر اس کی مرضی کے خلاف نکاح کا فیصلہ مسلط کر دیا جائے۔

اسلام نے نکاح کے معاملہ میں لڑکی کے ولی اور سرپرست کو اہمیت ضرور دی ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ نکاح اس کی اجازت سے ہوگا۔ اگر عورت بیوہ یا مطلقہ ہے تو صراحت سے اپنی رضامندی کا اظہار کرے گی اور باکرہ ہے تو اس کی خاموشی کو اس کا اتفاق سمجھا جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لا تنکح الایم حتی تستأمر و لا تنکح البکر حتی تستأذن

بیوہ یا مطلقہ کا نکاح نہیں کیا جائے گا جب تک کہ اس کی رائے نہ معلوم کرلی جائے۔ دوشیزہ کا نکاح نہیں ہوگا جب تک کہ اس سے اجازت نہ لے لی جائے۔

صحابہ نے عرض کیا باکرہ تو شرم وحیا کی وجہ سے بولے گی نہیں اس سے اجازت کیسے لی جائے؟ آپ نے فرمایا اس کا سکوت ہی اس کی اجازت ہے[1]

اگر کسی عورت کا ولی اس کا نکاح کردے اور وہ اسے تسلیم نہ کرے تو نکاح کالعدم سمجھا جائے گا۔ چنانچہ خنساء بنت خدام کا نکاح ان کی مرضی کے خلاف ان کے باپ نے کردیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نکاح ختم کرادیا[2]

اس سلسلہ کے اور بھی واقعات حدیث کی کتابوں میں ملتے ہیں، نابالغ لڑکی کا نکاح اس کا ولی اور سرپرست کرسکتا ہے لیکن فقہاء نے لکھا ہے کہ بلوغ کے بعد اسے اختیار ہوگا کہ وہ چاہے تو اسے قبول کرے یا رد کردے۔

مہر کا حق

شریعت نے مرد کو 'مہر' کا حکم دیا ہے۔ مہر عورت کا ایک قانونی حق ہے۔ اس کا ادا کرنا اس کے لیے ضروری ہے۔ مہر کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہے۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے۔

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ (النساء: ۲۴)

جو عورتیں حرام ہیں ان کے سوا دوسری عورتیں تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں کہ تم ان کو اپنے مالوں (مہر) کے ذریعہ چاہو

---

۱ بخاری، کتاب النکاح، باب لاینکح الاب وغیرہ البکر والثیب الا برضاھا۔ مسلم، کتاب النکاح

۲ بخاری، کتاب النکاح، باب اذا زوج ابنتہ وہی کارھۃ

شریعت نے مہر کی کوئی حد مقرر نہیں کی ہے۔ یہ آدمی کی حیثیت کے مطابق کم یا زیادہ ہو سکتا ہے البتہ اس کا رجحان یہ ضرور ہے کہ مہر اتنا ہونا چاہیے کہ آدمی اسے آسانی سے ادا کر سکے۔ فقہاء کے درمیان مہر کی کم از کم مقدار کے تعین میں اختلاف ہے۔ فقہاء احناف کے نزدیک اسے دس درہم سے کم نہیں ہونا چاہیے۔

بعض اوقات مہر کا اس طرح ذکر کیا جاتا ہے گویا مرد مال کے ذریعہ عورت کو خریدتا ہے۔ یہ مہر کی نوعیت سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ اسلام کے نزدیک عورت خرید و فروخت کا سامان نہیں ہے بلکہ اس کی ایک الگ جداگانہ حیثیت ہے۔ وہ ماں باپ یا کسی اور کی ملکیت نہیں ہوتی کہ ان سے اسے خریدا جائے۔ اگر وہ ان کی ملکیت ہوتی اور مہر لے کر وہ اسے فروخت کرتے تو مہر کی رقم انھیں ملتی جب کہ از روئے شریعت عورت خود مہر کی مالک ہوتی ہے۔ پھر یہ کہ اگر شوہر مہر کے عوض اسے خریدتا تو وہ شوہر کی ملکیت ہوتی حالانکہ شوہر کو عورت پر مالکانہ اختیارات حاصل نہیں ہوتے۔ شادی کے بعد بھی اس کی انفرادیت باقی رہتی ہے۔

'مہر' دراصل آدمی اس خوشی میں دیتا ہے کہ اسے عورت سے جنسی تعلق قائم کرنے کا جائز حق حاصل ہوا ہے۔ یہ مرد کی طرف سے ایک طرح کا تحفہ یا عطیہ ہے۔ قرآن مجید نے اس کے لیے 'نحلہ' کا لفظ استعمال کیا ہے (النساء:۴) بلاشبہ جنسی تعلق عورت بھی قائم کرتی ہے لیکن اس پر مہر کی نوعیت کی کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام عورت پر کوئی مالی بوجھ ڈالنا نہیں چاہتا۔ اس نے اسے ہر طرح کی معاشی ذمہ داریوں سے سبک دوش کر رکھا ہے۔

نان و نفقہ کا حق

شادی سے پہلے لڑکی کی پرورش کی ذمہ داری باپ کی ہے۔ شادی کے بعد اس کے نان و نفقہ کی ذمہ داری شوہر پر عائد ہو جاتی ہے۔ شریعت کی رو سے بیوی امیر ہو یا غریب اس کا نان و نفقہ شوہر پر واجب ہے۔ فقہ حنفی میں کہا گیا ہے کہ میاں بیوی دونوں صاحب حیثیت ہوں تو بیوی کا نفقہ اسی کی حیثیت کے مطابق ہوگا۔ بیوی غریب اور شوہر مالدار ہو تو

اس کا نفقہ غریب اور امیر کے نفقہ کے درمیان یعنی غریب کے نفقہ سے زیادہ اور امیر کے نفقہ سے کم ہوگا۔ لیکن اگر بیوی مالدار اور شوہر غریب ہے تو مرد اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے گا اور باقی اس کے ذمہ قرض ہوگا جسے وہ حسب سہولت ادا کرے گا۔

عورت اگر صاحب حیثیت ہے تو اس کے لیے خادم بھی فراہم کیا جائے گا۔ بیوی شوہر کے رشتہ داروں کے ساتھ مل کر رہنا نہ چاہے تو وہ الگ مکان کا مطالبہ کرسکتی ہے۔ یہ اس کا قانونی حق ہے اور شوہر کے لیے اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔

اس ذیل میں یہ بیان کردینا بھی مناسب ہی ہوگا کہ شوہر کی خدمت اور گھر کا کام کاج فقہ حنفی کے مطابق عورت کی قانونی ذمہ داری نہیں ہے۔ وہ یہ سب کچھ کرتی ہے تو یہ اس کا اخلاق اور حسن سلوک ہے۔ اس پر اسے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔[1]

کاروبار اور عمل کی آزادی کا حق

اسلام نے عورت کو کاروبار اور پیشہ وعمل کی آزادی دی ہے۔ اس کے لیے تجارت، زراعت، لین دین، صنعت وحرفت، ملازمت، درس وتدریس، صحافت وتصنیف سب ہی جائز کاموں کی اجازت ہے۔ اس کے لیے وہ گھر سے باہر بھی نکل سکتی ہے۔ البتہ اس پر وہ حسب ذیل پابندیاں عائد کرتا ہے۔

۱۔ اسلام کے نزدیک عورت اصلاً گھر کی منتظمہ ہے۔ اس لیے اس کی اولین توجہ کا مستحق اس کا گھر ہی ہونا چاہیے۔ وہ شوہر کے مال کی محافظ اور اولاد کی نگراں ہے۔ لہٰذا اس کے لیے کسی ایسی مصروفیت کا اختیار کرنا صحیح نہ ہوگا جس سے وہ اپنی بنیادی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے قابل ہی نہ رہ جائے۔

۲۔ وہ خاندانی نظام میں مرد کے تابع ہے۔ اس کی اجازت ہی سے وہ کوئی بھی

---

[1] یہ تفصیلات فقہ حنفی کی بیان کی گئی ہیں (ہدایہ ۲/ ۴۱۷-۴۱۹) دوسری فقہوں میں بعض جزئیات میں تھوڑا بہت اختلاف ہے۔

کام کرسکتی ہے۔ اگر وہ اپنی آزاد مرضی سے کوئی کام کرنے لگے تو خاندان کا نظم باقی نہیں رہ سکتا۔

۳۔ وہ کوئی ایسا کام نہیں کرسکتی جس میں کہ مردوں کے ساتھ اس کا اختلاط ہو۔ اس لیے کہ اس سے جو اخلاقی مفاسد پیدا ہوتے ہیں اس کے مقابلہ میں ان فوائد کی کوئی اہمیت نہیں ہے جو عورت حاصل کرسکتی ہے۔

ان شرائط کے پورا کرنے کے بعد عورت اپنی قوت و صلاحیت، سن و سال، مواقع اور مزاج کے لحاظ سے کوئی بھی کام کرسکتی ہے۔ اسلام اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتا۔

مال و جائیداد کا حق

دنیا کی بہت سی قوموں کے نزدیک عورت کو حق ملکیت حاصل نہ تھا۔ اس کا خاندان کی جائیداد میں کوئی حصہ نہ ہوتا تھا بلکہ وہ اپنی محنت سے جو کچھ حاصل کرتی اسے بھی باپ، بیٹے، شوہر یا خاندان کے دوسرے افراد کی ملکیت سمجھا جاتا۔ اسلام نے عورت کے حقِ ملکیت کو تسلیم کیا اور اس میں کسی دوسرے کی مداخلت کو غلط اور ناجائز ٹھہرایا۔ اس کے نزدیک جائز ذرائع سے حاصل شدہ دولت پر جس طرح مرد کو حق ملکیت حاصل ہے اسی طرح عورت کو بھی حاصل ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا	جو کچھ مردوں نے کمایا اس کے مطابق
اكْتَسَبُوا ۖ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ	ان کا حصہ ہے اور جو عورتوں نے کمایا
مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ (النساء: ۳۲)	اس کے مطابق ان کا حصہ ہے۔

عورت کو شرعی ضابطہ کے تحت ماں باپ، شوہر یا اولاد وغیرہ سے جو مال اور جائیداد ملے یا وہ اپنی سعی و جہد سے جو دولت حاصل کرے اس کی وہ خود مالک ہے اس میں تصرف کا اسے پورا حق حاصل ہے۔ وہ اسے اپنی آزاد مرضی سے اپنی ذات پر، شوہر اور بچوں پر، والدین اور خاندان کے دوسرے افراد پر خرچ کرسکتی ہے۔ نیک کاموں میں اسے لگا سکتی ہے۔ وہ جائداد کی خرید و فروخت اور وقف و ہبہ اور وصیت کا بھی حق رکھتی ہے۔ اس میں مداخلت کا کوئی بھی شخص مجاز نہیں ہے۔

عزت وآبرو کا حق

عزت وآبرو انسان کی بڑی قیمتی متاع ہے۔ اس سے کھیلنے اور اس پر دست درازی کرنے کی کسی کو اجازت نہیں دی جاسکتی۔ عورت کی عزت وآبرو پر ہمیشہ حملے ہوتے رہے ہیں اور وہ اپنی کمزوری کی وجہ سے اس کی حفاظت میں بہت زیادہ کامیاب بھی نہیں رہی ہے۔ اس پر حملے کی دو شکلیں ہیں۔ ایک قذف اور دوسرے زنا۔ قذف یہ کہ اس کے دامن عفت پر چھینٹے پھینکے جائیں اور اس پر بدچلنی اور بدکاری کا الزام لگایا جائے۔ اسلام کے نزدیک یہ بہت بڑا جرم اور گناہِ کبیرہ ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو ہلاک کردینے والے سات گناہوں میں ایک کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

قذف المحصنات	پاک دامن، ایمان والی اور بھولی بھالی
المومنٰت الغافلات [1]	عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگانا

اسلام نے قانونی طور پر یہ سخت اقدام کیا کہ جو شخص کسی عورت پر بدکاری کی تہمت باندھے اسے اسّی کوڑے لگائے جائیں اور کسی معاملہ میں اس کی شہادت نہ قبول کی جائے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ	جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت
ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ	لگائیں اور (ثبوت میں) چار گواہ نہ لائیں
شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ	تو ان کو اسی کوڑے لگاؤ اور ان کی گواہی
جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ	کبھی قبول نہ کرو وہ خود ہی فاسق ہیں
شَهَادَةً اَبَدًا ج وَاُولٰٓئِكَ	سوائے ان لوگوں کے جو اس حرکت
هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ اِلَّا الَّذِيْنَ	کے بعد تائب ہوجائیں اور اصلاح
تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا	کرلیں۔ اللہ ضرور ان کے حق میں غفور و

---

[1] مشکوٰۃ، باب الکبائر و علامات النفاق۔ بحوالہ بخاری و مسلم

فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ○ رحیم ہے۔

(النور، ۴، ۵)

اب زنا اور آبروریزی کے مسئلہ کو لیجئے۔ اسلامی قانون کے تحت کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ زبردستی زنا کرے تو اسے اگر وہ بے شادی شدہ ہے تو سو کوڑے لگائے جائیں گے اور شادی شدہ ہے تو رجم کیا جائے گا۔ ہاں اگر عورت زنا میں بخوشی شریک ہو تو وہ بھی اسی سزا کی مستحق ہوگی[1]

تنقید و احتساب کا حق

اس میں شک نہیں کہ اسلام نے عورت کو بعض اجتماعی اور سیاسی ذمہ داریوں سے مستثنیٰ کر رکھا ہے (اس پر ہم الگ سے بحث کریں گے) لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ان معاملات سے بالکل الگ تھلگ اور کنارہ کش رہے گی اور اسے اجتماعی نفع و نقصان سے کسی قسم کی دلچسپی نہ ہوگی۔ قرآن مجید نے عورت اور مرد دونوں کو 'امر بالمعروف و نہی عن المنکر' کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے

وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتُ بَعۡضُهُمۡ	مومن مرد اور مومن عورتیں یہ سب ایک
اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ‌ۘ يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ	دوسرے کے رفیق ہیں معروف کا حکم
وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ (التوبہ: ۷۱)	دیتے اور منکر سے روکتے ہیں۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے بڑے وسیع تقاضے ہیں۔ اس میں دعوت و تبلیغ بھی داخل ہے۔ یہ امت کی اصلاح کا عمل بھی ہے اور حکومت پر تنقید اور احتساب بھی اس میں آتا ہے۔ عورت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے حدود میں رہتے ہوئے یہ تمام تقاضے پورے کرے۔ تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ دور اول کی خواتین اپنی اس ذمہ داری کو محسوس کرتی تھیں اور اسے پورا کرنے کی کوشش بھی کرتی تھیں۔

---

[1] ان مسائل کی تفصیلات قرآن، حدیث اور فقہ میں مل سکتی ہیں۔